خدیجہ مستور کے ناولوں میں مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل

عزیزہ سعید*

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی**

Abstract:

Khadija Mastoor is a famous Urdu fiction writer. Aangn and Zameen are the most popular novels by her. These Novels presented the story of a family of the sub-Continent which depicts the social and psychological phenomenon during the partition. Many Muslims families from India migrated to Pakistan and faced many problems. She focused mainly on families' issues during the partition and her novel Aangan is considered an Urdu classic. This paper deals with the problems of the refugees in her novels..

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت خود ایک نفسیاتی اور جسمانی تکلیف تھی تاہم جعل سازی اور بے ایمانی نے ان کے مسائل میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ اردو افسانے نے اس کرب کا سب سے زیادہ بار اٹھایا۔ اردو افسانے میں آباد کاری کا عمل گھر، چار دیواری، خاندان، ذات برادری سے آگے بڑھ کر 'دل میں بساؤ' کی دردناک پکار بنا (لاجونتی از بیدی) کہیں آباد کاری کا عمل محض سانس کے آنے جانے کی خوشی میں بلند آہنگ کے ساتھ سنائی دیا (کھول دو از منٹو) کہیں یہ عمل اپنی بچیوں کو مہاجر کیمپ میں دیکھ کر عدم شناخت سے تعبیر ہوا (سیاہ حاشیے از منٹو)۔ اردو کے افسانوی ادب نے تاریخ کے اس نازک موڑ پر انسان تلاش کیا، اس مشقت کا سراغ لگایا جو ایک انسان نے دوسرے کا خون بہانے میں صرف کی تھی، اس ندامت کا کھوج لگایا جو کسی کی ملکیت کا اپنانے پر زندہ دکھائی دیتی تھی۔ اردو افسانے اس اعتبار سے عالمی افسانے کے ہم پلہ کھڑا نظر آتا ہے۔ ناول کے حوالے سے دیکھا جائے اردو ناول میں مہاجرین کی ہجرت کا دردناک منظر نامہ، ماضی پرستی، گم شدہ تہذیب کی بازیافت بڑے موضوعات کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ مہاجرین کی آبادکاری اور ان کے مسائل کے حوالے سے انتظار حسین کا 'آگے سمندر ہے' لازوال اور نمائندہ ناول

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

** شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

ہے۔ان کے پیش رو اور کسی حد تک معاصر ناول کی روایت میں اس کرب کا بار خدیجہ مستور نے اٹھایا۔انھوں نے بہ ذاتِ خود ہجرت کی، اس عمل سے گزرنے کے بعد آبادکاری اور اس سے وابستہ مسائل کا نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ وہ اور ان کا خاندان اس کا شکار بھی ہوئے۔ان کا یہ تجربہ تخلیقی تجربے کے طور پر ان کے ناولوں بالخصوص 'آنگن' اور 'زمین' میں دکھائی دیا۔خدیجہ مستور نے ان دونوں ناولوں میں جعلی الاٹمنٹس، زمینوں پر ناجائز قبضوں، جائیدادوں اور املاک پر قبضوں کے طریقوں کے ساتھ ساتھ ان سے پیدا ہونے والی نفسیاتی الجھنوں کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے اور اس سے جنم لینے والی نئی شناخت پر مصنفہ نے خاموش طنز کیا ہے اگرچہ ''زمین'' میں یہ طنز کرواہٹ اختیار کر لیتا ہے۔تقسیمِ ہند کے موضوع پر لکھے جانے والے ناولوں میں ''آنگن'' ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ناول میں برِعظیم کی تقسیم اور تقسیم سے پیدا شدہ مسائل کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔اس ضمن میں نیلم فرزانہ لکھتی ہیں:

> ''آزادی کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں خدیجہ مستور کا ''آنگن'' (۱۹۶۲ء) ایک اہم ناول ہے۔اس کی کہانی دوسری جنگِ عظیم، تحریکِ آزادی، برصغیر کی تقسیم اور تقسیم کے کچھ دن بعد تک کے زمانے پر محیط ہے۔ یہ پورا دور نا صرف سیاسی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے بلکہ اس دوران برصغیرعظیم معاشرتی اور تہذیبی تبدیلیوں سے دوچار ہوا۔اس تبدیلی کا رشتہ اس دور کی تعلیمی فضا اور سیاسی و انقلابی تحریکوں سے براہِ راست جڑا ہوا ہے۔''(۱)

پاکستان وجود میں آیا تو مہاجرین کا خیال تھا کہ حالات بدل جائیں گے۔انصاف ہوگا، عدل ہوگا اور امن ومحبت کی راہیں متعین کی جائیں گی مگر اس عہد کا ماحول اور حالات و واقعات سنگین صورت اختیار کر چکے تھے۔ ہجرت کرنے والے ظلم وستم کا طویل ریگستان طے کرنے کے بعد ایک سیلابِ عظیم سے گزرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچے۔ان پریشان حال لوگوں کو منزل تو مل گئی لیکن امید کے چراغ بجھتے ہوئے دکھائی دیے۔پاکستان میں دھوکا دہی اور ناانصافیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔بے یار و مددگار مہاجرین کے ساتھ محکمۂ بحالیات کے افسران کا رویہ غیر اخلاقی تھا۔ یہ رویہ انھیں مسلسل احساسِ جرم میں مبتلا کرتا رہا۔مسیحاؤں کی آمدنی کا ذریعہ لٹے پٹے مہاجرین تھے۔بہت سے افراد کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ یہاں تک کہ جو جمع پونجی تھی وہ بھی لٹ گئی اور بچا کچا روپیہ پیسہ یہاں کے حالات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ نئے ملک میں سرکاری عملے کی تعداد بہت کم تھی اور رضا کارانہ طور پر کام کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں موجود نہ تھے۔اس صورتِ حال میں مہاجرین کی آبادکاری ایک بہت بڑا مسئلہ تھا: ''اس وقت پاکستان کے لیے سب سے اہم مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری کا ہے۔''(۲) گویا اتنے بڑے پیمانے پر ہجرت ہوگی اور حالات پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا، اس کا اندازہ نہ تھا۔

پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو جعلی الاٹمنٹس کا بازار بھی گرم ہو گیا۔''آنگن'' میں خدیجہ مستور نے ناجائز طریقوں سے املاک کو الاٹ کروانے کی نشان دہی کی ہے۔عالیہ کے ماموں نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے

ہوئے اپنی بہن کے لیے لاہور میں ایک بہت بڑی کوٹھی الاٹ کروادی۔ گو عالیہ کی ماں اتنا اثاثہ چھوڑ کر نہ آئی تھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> ''عالیہ کے ماموں نے ایک ہندو کی متروکہ کوٹھی کا تالا توڑ کر ان دونوں کو بسا دیا۔اس کا سامان، فرنیچر اور سجاوٹ کا طرز اس کے سابقہ مالک کی دولت مندی کو ظاہر کرتے تھے۔تھوڑے دنوں کے بعد عالیہ کے ماموں چالاکی سے یہ کوٹھی ان کے نام الاٹ کرا دیتے ہیں اور سامان کی جعلی رسیدیں فراہم کردیتے ہیں۔''(۳)

اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی ریاست میں حق داروں کے ہاتھ خالی دکھائی دیئے۔ بیش تر پناہ گزینوں کو صرف نئے ملک سے غرض تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خوش حال گھرانے سے تعلق رکھنے والے مہاجرین کو معاشی ناآسودگیاں اور الاٹمنٹس کے مسائل سہنے پڑے۔ لالچی و چالاک لوگوں نے مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے جائیدادوں پر ناجائز قبضہ اور الاٹمنٹ شروع کردی اور وہ یہاں کے شرفاء بن بیٹھے۔ عالیہ سے وابستہ افراد اس بات کی بھرپور عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تقسیم کے بعد پورے ملک میں لوٹ مار مچ گئی تو مادیت پرستی نے احترامِ آدمیت کو زیر کر دیا۔خود غرضی ہر طرف دندناتی پھر رہی تھی۔جعلی دستاویزات کی تیاری کا بازار سرگرمِ عمل تھا اور فراڈ سے متروکہ املاک اپنے نام کروائی جارہی تھیں۔ اصل حق داروں کو ان کے حق سے محروم رکھا جارہا تھا۔ پاکستان بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھانے والوں نے اجتماعی مفاد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ذاتی مفاد کو ترجیح دی۔ عالیہ کا ماموں ان تمام افراد کی نمائندگی کرتا ہے جو مہاجرین کے لیے شرم کا باعث بنے۔ایسے لوگوں نے اپنی مکارانہ چالوں کے ذریعے رہائشی، کاروباری اور زرعی املاک پر قبضے کیے۔ ''آنگن'' میں یہ کردار اپنی بہن کو چھت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے لوگوں کو بھی مختلف گھروں کے قبضے دلاتا رہا: ''وہ اچھا آدمی ہے مگر اسے باتیں کرنی ہی کب آتی ہیں؟ کوٹھی، کار، بریکٹس کا حال اور بس____ کوٹھی تو ماموں نے بھی دِلا دی ہے۔''(۴)

قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کی وجہ سے بہت سے مسائل نے جنم لیا۔ انسانوں کے جذبے اور ہمت ماند پڑنے لگے۔ انسان انسانیت کے درجے سے کہیں دور بھاگتا دکھائی دینے لگا۔اشرف المخلوقات بصارت اور بصیرت سے محروم ہوگئے۔ حلال اور حرام کا فرق مٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بے سہاروں کے مال پر شیطان رقص کرنے لگے:

> ''ایک دن ماموں اکیلے آئے تو انھوں نے بتایا کہ کوٹھی اماں کے نام الاٹ کرا دی ہے۔ پھر انھوں نے فرنیچر وغیرہ کی چند رسیدیں دیں کہ اگر کوئی پوچھے تو یہ دِکھا دینا کہ ہم نے یہاں آکر سب کچھ خریدا ہے۔اس کوٹھی میں تو بس کباڑ بھرا تھا۔''(۵)

مہاجرین کا خیال تھا کہ پاکستان وہ آنگن ہے جہاں خوابوں کی تعبیر ممکن ہوسکتی ہے۔ جہاں دکھ درد آغوشِ عافیت میں سمٹ جائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔ پاکستان کا آنگن بھر گیا اور مہاجرین کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہی چلا

گیا۔ چند افراد کی ریشہ دوانیوں نے مہاجرین کو شدید نقصان پہنچایا۔ ان میں مقامی لوگ بھی شامل تھے اور ہجرت کرنے والے بھی: ''پانچویں دن ماموں نے ایک چھوٹی سی کوٹھی کا تالا تڑوا کر اماں کو ان کے گھر جانے پر مجبور کر دیا۔''(۶)

مصنفہ نے آباد کاری کے مسائل کو مختصراً بیان کیا ہے۔ تاہم وہ برائی کو برائی اور ناحق کو ثابت کرنے کے لیے عالیہ کی سوچوں کا سہارا لیتی ہیں۔ عالیہ کی سوچ معاشرے کی، حق داروں کی، مستقبل کی نئی نسل کی اور مہاجر طبقے کی سوچ بن جاتی ہے: ''عالیہ چپ چاپ سب کچھ سنتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے کس کا حق کون اڑائے لیے جا رہا ہے، یہ رسیدیں کہاں سے آ گئیں، یہ کوٹھی اس کی کس طرح ہو گئی۔''(۷) ''آنگن'' میں بظاہر چور بازاری کرنے والوں کے خلاف کوئی مکالماتی نعرہ بازی نہیں کی گئی۔ عالیہ کے توسط سے کوٹھیاں الاٹ کروانے والوں اور سامان کی جعلی رسیدیں فراہم کرنے والوں پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے۔

> مختصر یہ کہ ''آنگن'' میں تقسیمِ ہند کے درد کو سمویا گیا ہے۔ خدیجہ مستور نے اس المیہ کو بہت سنبھل کر لکھا ہے۔ وہ چاہتیں تو ناول میں جذبات کا انبار بنا دیتیں مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔ گویا مصنفہ نے ایک ایسے مہاجر خاندان کو موضوعِ بحث بنایا ہے جو نو دولتیے بھی تھے اور ہوس پرست بھی۔ ان جیسے کئی افراد نے اپنے آنگن جھوٹ، فریب اور جعل سازی سے آباد کیے۔ مہاجرین اور ان کے مسائل کے حوالے سے ''زمین'' کسی حد تک ''آنگن'' کی اگلی کڑی ہے۔ ''آنگن'' میں پاکستان بننے کے بعد جعلی الاٹمنٹ کا ایک خاص حد تک ذکر کیا گیا ہے۔ ''زمین'' میں ہر طرح کی ناجائز الاٹمنٹ اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم نظر آتا ہے: ''زمین کے مطالعے سے تقسیم کے بعد قائم ہونے والے نئے پاکستانی معاشرے کی جو صورتِ حال سامنے آتی ہے وہ نہایت مایوس کن اور مریضانہ ہے۔''(۸)

ناول کا مرکزی کردار ساجدہ ہے جو عالیہ ہی کی طرح بہت مضبوط اور ثابت قدم ہونے کے ساتھ ساتھ باضمیر بھی ہے۔ کہانی میں بے ایمانی اور جعل سازی کرنے والے کرداروں کو ساجدہ کے ذریعے متعارف کروایا گیا ہے۔

ساجدہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہجرت کے بعد وہ اپنے باپ کے ہمراہ والٹن کیمپ پہنچتی ہے۔ صلو جس کا اصل نام صلاح الدین تھا جو ساجدہ کے بچپن کا ساتھی تھا۔ وہ پاکستان آ کر ساجدہ کو داغِ مفارقت دے جاتا ہے۔ مہاجر کیمپ میں ساجدہ کی ملاقات محکمۂ بحالیات کے افسر ناظم سے ہوتی ہے جو اُسے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ وہ ایک اچھا اور شریف انسان ہے مگر ناظم کا بھائی کاظم اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتا ہے۔ ناظم کے ہی گھر میں ایک اور مہاجر لڑکی تاجی بھی پناہ گزین ہے۔ کاظم، تاجی کو اپنی جسمانی تسکین کے لیے استعمال کرتا اور بالآخر

یہی ہوس تاجی کی موت کا باعث بنتی ہے۔کاظم کی شخصیت میں منفی اثرات پائے جاتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم بھی دولت کے حصول کے لیے حاصل کرتا ہے۔اس کے برعکس ناظم کا ساجدہ سے جذباتی رشتہ استوار ہوتا ہے اور وہ دونوں شادی کر لیتے ہیں۔ ناول میں ساجدہ کا کردار منفرد سوچ اور مختلف نظریات کے طور پر ابھر کر قاری کے سامنے آتا ہے۔ساجدہ ہر کٹھن مرحلے پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔اس کا باپ جس نے ساری عمر ایمان داری سے بسر کی وہ بھی پاکستان آکر مالی لوٹ مار میں شامل ہو جاتا ہے اور اپنے ماضی کی جھوٹی امارات کے قصے سناتا ہے:''ارے ناظم صاحب! نہ پوچھیئے کہ کیا کیا چھوڑ آیا ہوں۔ پانچ کمروں کا مکان، ایک بہت بڑی کپڑے کی دکان، وہاں دو دو منشی کام کرتے تھے، کیا دن تھے وہ بھی!''**(۹)**

ناول میں ایک ایسے خاندان کا تذکرہ کیا گیا ہے جو تقسیم سے پہلے مال و دولت کی نعمت سے محروم تھے۔ تاہم پاکستان آنے کے بعد ان افراد کی دنیا ہی بدل گئی جسے ناول نگار نے طنزیہ پیرائے کا سہارا لیتے ہوئے بیان کیا ہے۔ایسا ہی ایک گھرانہ بابا کلو بہشتی اور اس کی بیٹی انوری کا ہے۔ جو تقسیم سے قبل پورے محلے کا پانی بھرا کرتا تھا مگر نئے ملک میں آجانے کے بعد جعل سازی سے فیکٹریوں اور بنگلوں کا مالک بن گیا۔سر پر تاج سجائے یہ رئیس ماضی کو فراموش کر بیٹھا اور مکر و فریب کے ذریعے پاکستان کی دولت کو ہاتھوں ہاتھ لوٹنے لگا۔ بابا کلو کی بیٹی انوری بھی عیش و عشرت کی چادر اوڑھے پرسکون زندگی گزار رہی تھی جس کے ماضی سے سب غافل تھے:

> ''یہ ٹھاٹ ہے انوری! ویسے تم بہت پیاری ہوگئی ہو، بہت خوب صورت لگنے لگی ہو، مگر تم مجھ سے مل کر ذرا بھی خوش نہیں ہوئیں، امیر ہوگئی ہو نا نہیں باجی! مجھے ڈر لگتا ہے، یہاں کوئی نہیں جانتا کہ میں بہشتی کی بیٹی ہوں۔ یہاں سب یہی جانتے ہیں کہ میں ایک مل اونر کی بیٹی ہوں۔ باجی! ابا نے تو اپنا نام بھی بدل لیا ہے۔اب وہ سرور حسین ہیں۔۔۔اللہ نے پاکستان بنایا تو ہمارے دن پھرے، یہاں کوئی کسی کو نہیں جانتا۔ برادری کے کچھ لوگ کراچی میں ہیں، باقی دہلی میں، کچھ مر کھپ گئے۔اب کوئی کلو بہشتی کو یاد کرنے والا نہیں۔ بیسیوں نوکر جی حضور کرتے پھرتے ہیں۔اس کے لہجے میں فخر تھا۔''**(۱۰)**

تاہم ساجدہ کو جب حقیقت کا علم ہوتا ہے تو وہ انوری سے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیتی ہے۔

ناول میں مہاجرین کی آبادکاری کے دردناک مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ ملک لوٹ کھسوٹ کے لیے قائم کیا گیا تھا۔نفسا نفسی کے اس عہد میں خلقِ خدا نے اچھائی اور برائی کے فرق کو مٹا ڈالا۔سب کے دلوں پر لالچ راج کر رہا تھا۔خواہ وہ مقامی باشندے ہوں یا پناہ گزین۔ چھینا جھپٹی سے حاصل کی جانے والی جائیدادوں پر شکوہ کیا جاتا۔''زمین'' میں مالک کا کردار کچھ ایسے ہی مایوس کن لہجے میں کہتا ہے:

> ''مہاجروں کے لیے تو ہزار غم ہیں، گھر بار لٹ گئے، لاکھوں کے مالک خاک ہوگئے،

اب تم دیکھ لو نا، ہمیں یہاں آ کر کیا ملا ہے!'' مالک نے ٹھنڈی سانس بھری ناظم جیسے کرسی سے اچھل پڑا ''ہمیں کیا ملا؟____ '' پھر وہ سکون سے بیٹھ گیا، ''ہاں'' ہمیں کیا ملا، اس چار کنال کی کوٹھی اور اس کے ساز و سامان کے سوا کیا ملا!''۔'' (۱۱)

اگر چہ مالک کا خاندان ہندوستان میں معمولی حیثیت رکھتا تھا جس کے پاس نہ تو عالی شان مکان تھا اور نہ ہی لمبی لمبی موٹریں۔ فقط سر چھپانے کے لیے ایک معمولی سا گھر تھا۔ سلیمہ اس بات کی تائید ان الفاظ میں کرتی ہے:

''تقسیم سے پہلے جب ہم تین کمروں کے سرکاری کوارٹر میں رہتے تھے، تو اس سے کہیں بہتر تھے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کوئی زبان نہ کھولتا تھا، خاندان اور پڑوس کے خیال سے کوئی بھی اونچی آواز سے نہ بولتا تھا۔'' (۱۲)

مصنفہ نے ناول میں مفاد پرست طبقے کو بے نقاب کیا ہے۔ یہ طبقہ مکاری اور چالاکی کے ذریعے جعلی کاغذات کو تیار کروانے میں بہت حد تک کامیاب رہا۔ مزید برآں پاکستان سے ہجرت کرنے والوں کے گھروں اور دکانوں کے تالے توڑنا بھی ان کے لیے دشوار نہ تھا۔ کیوں کہ خوفِ خدا کی رمق ان کے دلوں میں باقی نہ رہی تھی: ''افسوس تو یہ ہے کہ میں نے یہاں کسی باغ میں تالہ لگا نہیں دیکھا۔ ناظم بے حد ڈھٹائی سے ہنسا۔ مالک نے بھی اس کے ساتھ ایک کھوکھلا سا قہقہہ لگایا۔'' (۱۳)

''آنگن'' کی طرح ''زمین'' میں بھی ایک ہی گھر میں خیر و شر سے وابستہ افراد دکھائی دیتے ہیں۔ ناول میں جعل سازی اور معاشرے کے المناک حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں لہجوں میں طنز اور مکالموں میں دکھ اور درد کا احساس دکھائی دیتا ہے:

''اگر پاکستان کو مضبوط بنانا ہے تو حکومت کو سب سے پہلے مہاجرین کے مسائل حل کرنے ہوں گے۔''

''اب تک تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر آ چکے ہیں۔'' سلیمہ کی امی نے بڑے انداز سے چہرہ اٹھا کر مالک کی طرف دیکھا۔ ''یہی تو کہا تھا آپ نے؟ میں نے ٹھیک کہا نا مالک، یہ بڑی تشویش ناک بات ہے، ہے نا؟''

''بالکل ٹھیک۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اصلی مہاجر تو ہم لوگ ہیں، باقی رہے غربا، تو وہاں بھی جھونپڑوں میں رہتے تھے، فٹ پاتھ یا دکانوں کے تھڑوں پر سوتے تھے، ایسے لوگ یہاں بھی خود ہی اپنی جگہ بنا لیں گے۔ حکومت بھی دراصل ہمارے جیسے لوگوں کی آبادکاری کا نعرہ لگا رہی ہے۔'' (۱۴)

گویا کم ظرف اور بے ضمیر لوگوں کا یہ عالم تھا کہ ان کے اندر کا لالچ کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا گیا۔ ان کے نزدیک حرام کھانا کوئی معانی نہیں رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہوس کے پجاریوں نے انسانیت کو دفن کر دیا۔ محکمۂ

بحالیات جو سرکاری سطح پر مہاجرین کے لیے بنا تھا، اس سے منسلک لوگ مہاجرین سے زیادہ اپنے گھر الاٹ کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ ناظم بھی چونکہ اسی محکمے سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اس نے اپنے خاندان کے لیے ایک کوٹھی الاٹ کروالی۔ محکمہ بحالیات جعلی الاٹمنٹس کرنے کا گڑھ بن چکا تھا۔ ان کا حساب کتاب کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ظاہری طور پر احتساب کی باتیں کی جا رہی تھیں۔ ابھی ہجرت کے مراحل جاری تھے تو کشمیر کی جنگ چھڑ گئی۔ قائداعظم کا انتقال ہو گیا لہٰذا مطلبی لوگ وقت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔

پاکستان آنے والے پناہ گزینوں میں جائیدادوں اور املاک پر قبضہ کرنے والوں میں ایسے رئیس زادوں کی اکثریت تھی جو ہندوستان میں کچھ چھوڑ کر نہ آئے تھے یہ عام لوگ تھے۔ ان میں صلاح الدین بھی شامل تھا جس سے ساجدہ بے انتہا محبت کرتی ہے:

> ''میں سرگودھا میں رہتا ہوں''۔۔۔ وہاں میری بہت سی زمین ہے، دس مربعوں میں تو صرف باغ ہے، بڑے اچھے مالٹے ہیں میرے باغ کے، خالص ریڈ بلڈ۔ میری بیوی کو بھی جہیز میں پچیس مربعے ملے ہیں، ہم دونوں اپنے علاقے کے سب سے بڑے زمین دار ہیں۔'' (۱۵)

باغات، ملیں، کوٹھیاں، بنگلے، زمین، عورتیں جہاں جس کا بس چلا اس نے حاصل کر لیا۔ وہ مہاجر جو انصاف کے امیدوار تھے ان کا خیال تھا کہ مساوات کا علم بلند ہوگا لیکن یہاں امید کی کرن نے دم توڑ دیا اور وہ بے گھر ہی رہ گئے۔ بے گھری اور بے چینی کی وجہ سے ان کے ہاں منفی رویوں نے جنم لیا۔ لہٰذا جو حق دار تھے انھیں الاٹمنٹس کروانے میں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مہاجرین کی نہ ہی اصل دستاویزات تک رسائی ہوتی اور نہ ہی اس وقت کے شرفاء کہلانے والے انھیں کوئی اہمیت دیتے۔ ان رئیس زادوں کے نزدیک یہ صرف کیڑے مکوڑوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

مہاجرین جو جعلی دستاویزات کے ذریعے الاٹمنٹس پر قبضہ تو کر لیتے ہیں تاہم نفسیاتی طور پر یہ یقین کرنا ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے کہ! کیا واقعہ یہ سب کچھ انھیں کا ہے؟ جو کبھی خواب میں بھی دیکھا نہ تھا:

> ''ناظم اور کاظم کے باپ کو اگر دیکھا جائے تو وہ ان مہاجروں کی نمائندگی کرتے ہیں جو نئے ملک میں آنے کے بعد اپنی ان جائیدادوں کا رونا روتے ہوئے نہیں تھکتے کہ جن کے پاس وہ جائیدادیں سرے سے تھیں ہی نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو جائیدادیں حاصل کرنے کے بعد بھی آسودگی یا صبر کا مظاہرہ نہیں کرتے۔'' (۱۶)

تقسیم کے بعد آبادکاری کے مسائل سے پیدا ہونے والی صورتِ حال اور اس صورتِ حال سے جنم لینے والا دکھ محض مصنفہ کا دکھ نہیں ہے بلکہ یہ درد اور دکھ کئی نسلوں تک منتقل ہوا۔ ہجرت کے بعد ہر شخص ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ یہ ٹوٹ پھوٹ ہمیں خدیجہ مستور کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے جس کی وجہ سے شاید وہ سنبھل نہ پائیں۔ یہ ناول

مہاجرت کا المیہ ہے۔ ناول کی کہانی دکھ میں دب سی جاتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف لکھتے ہیں:

> ''قیامِ پاکستان کے بعد ناظم نے دیکھا کہ آزادی کے بعد بھی ایوانِ حکومت میں وہی جابر اور غاصب بیوروکریسی بیٹھی ہے جو عہد غلامی میں فرنگی حاکم کے اشارے پر عوام کو جبر و تشدد اور ظلم و ناانصافی کا شکار بناتی تھی کوئی انقلاب نہیں آیا تھا۔''(۱۷)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو خدیجہ مستور ''آنگن'' اور ''زمین'' میں نئے ملک میں مہاجروں کی آبادکاری کے حوالے سے پیش آنے والے مسائل کو بھرپور بیان کرنے میں کامیاب نظر آتی ہے۔ بعض اوقات ان کے ہاں مقصدیت تخلیق کو متاثر کرتی ہے لہٰذا اگر ان دونوں ناولوں میں بطورِ خاص ''زمین'' میں کہیں تکنیکی جھول نظر آتا ہے تو اس بات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا مقصد اتنا اہم تھا۔ جس کے بعد ساتھ مصنفہ نے ہر ممکن انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''آنگن'' اور ''زمین'' میں ایسے مہاجرین کی نمائندگی کی گئی ہے جو اخلاقی قدروں کی بجائے مال و دولت کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر شعبے میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نیلم فرزانہ، ''اردو ادب کی خواتین ناول نگار''، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۸

۲۔ عزیز محمد خان، چوہدری، ''حیاتِ قائداعظم''، مقبول اکیڈمی، لاہور، س۔ن، ص ۶۷۴-۶۷۳۔

۳۔ خالد اشرف، ''برصغیر میں اردو ناول''، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۴۔

۴۔ خدیجہ مستور، ''آنگن''، التحریر، لاہو، ۱۹۸۷ء، ص ۳۴۰۔

۵۔ ایضاً، ص ۳۲۰

۶۔ ایضاً، ص ۳۱۸

۷۔ ایضاً، ص ۳۲۰

۸۔ خالد اشرف، ''برصغیر میں اردو ناول''، ص ۲۱۸۔

۹۔ خدیجہ مستور، ''زمین''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۷-۴۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۸۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۵۔ خدیجہ مستور، ''زمین''، ص ۱۸۲

۱۶۔ محمد عارف، ''اردو ناول اور آزادی کے تصورات''، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۷۵۹۔